بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Accession numbers
96011
Dt. 23.1.81
AB
AT 02

نظرات

گزشتہ اپریل میں ملائشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پاکستان کا بھی ایک نمائندہ وفد شریک ہوا۔ روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور کے نامہ نگار مقیم جنوب مشرقی ایشیا نے اس کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مقامی اخبارات میں اس کے بارے میں بہت کچھ چھپا۔ اور اس کی کارگزاری کی بڑی شہرت ہوئی۔ اس لحاظ سے یہ کانفرنس بہت کامیاب رہی۔

نامہ نگار نے اس کانفرنس میں بعض جو قرار دادیں منظور کی گئیں، اپنے مکتوب میں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کے شرعاً جائز یا ناجائز ہونے کا مسئلہ بھی کانفرنس میں زیر بحث آیا۔ اس کے شرعاً جائز ہونے کے حامی بڑی مشکلوں سے کانفرنس سے صرف اتنا منوا سکے کہ بعض مخصوص انفرادی اور اجتماعی حالات میں اسلامی شریعت خاندانی منصوبہ بندی کی اجازت دیتی ہے۔ نامہ نگار کے الفاظ میں اس قرارداد سے پاکستان اور اس طرح کے بعض دوسرے مسلمان ملکوں کی حکومتوں کو اپنے ہاں جاری شدہ خاندانی منصوبہ بندی کی سکیموں کے لئے ایک وجۂ جواز تو ضرور مل گئی، لیکن یہ مسئلہ جتنا اہم ہے، اس اعتبار سے کانفرنس کی اس قرارداد سے انہیں تقویت نہیں ملے گی۔

حسب توقع کوالالمپور کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں انشورنس اور بنک کاری کا بھی سوال پیش ہوا کہ آیا یہ دونوں شرعاً جائز ہیں یا ناجائز۔ انشورنس کے بارے میں تو یہ قرارداد پاس ہوئی کہ اگر اس کاروبار کی بنیاد "انٹرسٹ" پر ہو، تو اس پر "ربا" یعنی سود کا حکم عائد ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسے تعاون باہمی (کوآپریٹو) کی بنیادوں پر کیا جائے تو شرعاً جائز ہے۔

بنک کاری یا بنکنگ پر کانفرنس میں خوب گرما گرمی رہی۔ اور کوئی بھی فریق دوسرے کو اپنے نقطۂ نظر کا قائل نہ کر سکا۔ آخر مصلحت اسی میں دیکھی گئی کہ اس کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ اس مسئلے پر مزید غور و خوض ہو، اور آئندہ کسی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں اس کا فیصلہ کیا جائے۔

کچھ عرصہ سے علماء و فقہاء کے سامنے یہ مسئلہ بھی درپیش ہے کہ آیا ایک مردہ جسم کا کوئی عضو، جیسے آنکھ

اور دل، ایک زندہ آدمی کے جسم میں منتقل کرنے کی شریعت اسلامی اجازت دیتی ہے یا نہیں۔ نامہ نگار موصوف نے لکھا ہے کہ اس کے جواز پر سب شرکاء کا اتفاق تھا۔

اگر انشورنس اور بنک کاری پر کوالالمپور کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کسی مثبت فیصلے پر نہیں پہنچ سکی، تو اس پر ہمیں زیادہ تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنا چاہیئے کہ خاص طور سے ان دو مسئلوں اور اسی طرح بعض دوسرے اہم مسائل میں بھی پوری اسلامی دنیا کے مذہبی فکر اور ان عملی پالیسیوں کے درمیان جن پر اکثر مسلمان حکومتیں عامل ہیں، اختلاف کی ایک گہری خلیج ہے۔ اور اسے بھر نافی الحال مشکل نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف ہمارے مذہبی فکر کے ترجمان بزرگ ہیں جو خاندانی منصوبہ بندی، انشورنس اور بنک کاری کے شرعاً ناجائز ہونے کے دن رات فتوے دیتے رہتے ہیں۔ ان کے خطبوں، درسوں اور تحریروں میں ان امور کی حرمت پر بڑا زور ہوتا ہے۔ اور جب بھی ان حضرات کو موقع ملتا ہے وہ اس بارے میں تحریک بھی چلا دیتے ہیں، لیکن دوسری طرف مسلمان ملکوں کی اکثر حکومتیں ہیں کہ ان کو آج کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات کے تحت انشورنس، بنک کاری اور خاندانی منصوبہ بندی کی سکیموں پر عمل کرنا پڑ رہا ہے، اور ان کی کوشش ہے کہ وہ ان کے دائرۂ کار کو وسیع سے وسیع تر کریں۔ پاکستان میں یہ ہو رہا ہے، مصر میں یہ ہو رہا ہے اور اسی طرح جو مسلمان ملک بھی معاشی ترقی، سیاسی استحکام اور معاشرتی فلاح و بہبود کی راہ پر گامزن ہونا چاہتا ہے، وہاں یہ اقدامات ضروری ہو جاتے ہیں۔

مذہبی فکر اور خاص کر ہمارے ہاں کے راسخ العقیدہ مذہبی فکر اور اسلامی حکومتوں کے ان امور کے متعلق عمل میں ایک تضاد موجود ہے۔ ہمیں اس توقع پر اس تضاد کو تسلیم کر لینا چاہیئے کہ یہ بالکل عارضی ہے اور جیسے جیسے ان ملکوں میں جدید تعلیم عام ہوگی، صنعتوں کو فروغ ہوگا۔ معاشی طرز زندگی بدلے گا۔ اور مسلمان عوام دوسری طرح سوچیں گے، انشاء اللہ یہ تضاد نہیں رہے گا۔

مثال کے طور پر صدر ناصر کے مصر کو لیجیۓ۔ چند سال پہلے تک وہاں سال بہ سال بین الاقوامی قسم کی اسلامی کانفرنسیں ہوتی تھیں، جن میں اکثر مسلمان ملکوں کے بشمول پاکستان، علماء شرکت کرتے تھے۔ ان کانفرنسوں میں جب خاندانی منصوبہ بندی، انشورنس اور بنک کاری کے مسائل زیر بحث آتے، تو ان کے متعلق شرکاء علماء جو

زیادہ تر راسخ العقیدہ مذہبی فکر کے نمائندے ہوتے تھے کم و بیش وہی کچھ کہتے، جو ہمارے ہاں ان بزرگوں کی طرف سے عام طور پر کہا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا۔ ان مہمان علماء کی مصر میں بڑی پذیرائی کی جاتی، لیکن ان کے فرمودات کا حکومت کی پالیسیوں پر کوئی اثر نہ پڑتا یعنی مصری حکومت اس عربی قول پر عمل کرتی۔ ھُمْ فِی وَادٍ وَنَحْنُ فِی وَادٍ۔

اسی قسم کی قاہرہ میں منعقدہ ایک اسلامی کانفرنس پر راقم السطور نے وہاں کے ایک اہل قلم کا مضمون پڑھا تھا موصوف نے اس کانفرنس میں کی گئی تقریروں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا تھا کہ ان میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا آج کی حقیقی زندگی سے کوئی دُور کا بھی تعلق ہے؟ مصر کی آبادی جس سُرعت سے بڑھ رہی ہے، اس کو دیکھتے ہوئے حکومت مجبور ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کو نافذ کرے اور کانفرنس کے شرکاء علماء ہیں کہ وہ اس کو اب تک شرعاً حرام قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح کئی اور مسائل ہیں، جن میں حکومت کی پالیسیوں اور اس کانفرنس میں جو کچھ کہا گیا، اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس اہلِ قلم نے جامعہ ازہر کے کرتا دھرتا اصحاب سے پوچھا تھا کہ آخر اس قسم کی کانفرنسوں کو بلانے کا کچھ فائدہ ہے؟

یہ تو ہے ایک نقطۂ نظر؛ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ آخر اس میں کیا حرج ہے کہ مذکورہ بالا امور کے متعلق ہمارے ہاں کا جو قدامت پسند مذہبی فکر ہے، وہ بھی مسلمان عوام کے سامنے آتا رہے۔ چنانچہ جہاں مسلمان تجدد پسندوں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے افکار کی آزادانہ نشر و اشاعت کریں، وہاں راسخ العقیدہ قدامت پسندوں کو بھی پوری آزادی ہونی چاہیئے کہ وہ ان امور کے متعلق اپنا نقطۂ نظر پیش کریں۔ اگر دونوں گروہ قاعدے اور قانون کے اندر رہ کر اپنی یہ فکری و علمی سرگرمیاں جاری رکھیں، تو اس سے ایک تو عوام کی صحیح تعلیم و تربیت ہوگی اور دوسرے دونوں طرفوں کے بیچوں بیچ اعتدال کی راہ کا نکلنا اور اس پر زیادہ سے زیادہ لوگوں کا متفق ہونا ممکن ہو سکے گا۔

اسلامی تاریخ میں یہ اکثر ہوا ہے۔ اور اسی کی بدولت مسلمانوں کی طویل تاریخ میں ان تمام صدیوں میں ایک ربط اور تسلسل رہا۔ مثال کے طور پر جب عباسی عہد کے شروع میں یونانی حکمت و فلسفہ کے عربی زبان میں ترجمے ہوئے تو مسلمانوں کا ایک گروہ تو یونانیت کے اس سیلاب میں بالکل بہہ گیا۔ اس کے خلاف ایک دوسرا گروہ تھا، جس نے یونانی حکمت و فلسفہ کا پڑھنا پڑھانا کفر قرار دیا۔ یہ ہر دو رَد کچھ عرصہ چلتی رہی۔ ایک طرف معتزلہ تھے، اور دوسری طرف حنبلی۔ ان دونوں نقطہ ہائے نظر کے درمیان آخر سنگم اور ملاپ کی صورت نکل آئی۔ اور وہ تھی اشعریت اور ماتریدیت۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ معتزلہ نے تو فلسفہ فلاسفہ سے لیا، اور اہل سنت نے اسے معتزلہ سے لیا۔

~~~~~~~~ X ~~~~~~~~

[illegible] بڑے اہتمام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا
~~~~~~~~

ولادت منایا گیا۔ اس مبارک موقع پر صدر پاکستان جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ترین مقدس ترین شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنے بیان میں اس بات پر زور دیا کہ اسلام کی تعلیمات بدولت ہی برصغیر پاک و ہند کے مسلمان اس قابل ہوئے کہ وہ اجنبی غلامی سے آزادی حاصل کر کے اپنے لئے اس زمین میں ایک نئی مملکت کی بنیاد ڈالیں۔ اور یہ کہ پاکستان کے بانیوں نے واضح طور پر یہ اعلان کیا تھا کہ اس مملکت مسلمانوں کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تلقین کردہ مثالی معیاروں، اصولوں اور اخلاقی قدروں کے مطابق تعمیر کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔ یہی وہ نصب العین تھے جنہوں نے جدوجہد پاکستان کے دوران مسلمانوں کو سراپا عمل و حرکت بنا دیا تھا اور پاکستان کا قیام دراصل انہی نصب العینوں کا منتج ہے۔

صدر مملکت کے الفاظ میں، جب صورت حال یہ ہے اور پاکستان کا قیام اس طرح عمل میں آیا ہے تو ہمارے سامنے اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ ہم اس نظریہ حیات (آئیڈیالوجی) اور روحانی وراثت کے مطابق اپنے مستقبل کی تعمیر کریں جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ آج ہم بڑے سنگین سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل سے دوچار ہیں، ہمیں ان کے حل رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کی حقیقی روح میں تلاش کرنا ہوں گے۔ آپؐ کے ناچیز پیروؤں کی حیثیت سے ہمارا یہ مقدس فریضہ ہے کہ ہم ایک سیاسی نظام عمل اور سماجی ڈھانچہ وجود میں لائیں جو ان فعال اور مساوات و عدل پر مبنی اصولوں کے مطابق ہو، جن کی تعلیم ہمیں آپؐ نے دی اور ان پر خود عمل بھی کر کے دکھایا۔

صدر مملکت نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت انسانیت کو ان تمام زنجیروں سے رہائی بخشنے کا باعث بنی، جنہوں نے دنیا جہان کی تمام اقوام کی مادی اور روحانی ترقی کو روک رکھا تھا۔ آپؐ نے اپنے قول اور عمل ہر دو سے انسان کو وہ راستہ دکھایا، جس پر چل کر وہ ایک مسرت بخش اور بامقصد زندگی گزار سکتا ہے آپؐ نے دنیا کو ایک ایسا جامع مثالی نظام دیا، جو اخلاقی و مادی اور روحانی و دنیوی قدروں کا امتزاج تھا۔
یہ محض ایک دعویٰ نہیں، اور نہ اسے صرف حسنِ عقیدت ہی کا اظہار سمجھنا چاہیئے جو ایک پیرو کو اپنے ہادی و رہنما سے ہوتا ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان سب باتوں کو عملاً ثابت کر کے دکھایا۔ اور آج تاریخ اس کی سب سے سچی شہادت ہے۔ آپؐ نے عربوں کو اخلاقی طور سے جس بلند مرتبے پر پہنچایا۔

ؤ نے یہ تلقین فرمائی کہ سارے انسان ایک قوم ہیں اور ان میں سب سے بڑی عزت والا وہ ہے، جو سب سے زیادہ
تی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ بہترین انسان وہ ہے جو سب انسانوں کو فائدہ پہنچائے۔ اس ضمن میں ایک اہل قلم نے
ھا ہے :۔ حقیقت تو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدردی صرف بنی نوع انسان ہی میں محدود نہ تھی، بلکہ
اری جاندار مخلوق کے لئے عام تھی۔ چنانچہ پروفیسر مارگولیتھ جو آنحضرتؐ کے نہایت سخت نقاد تھے، لکھتے ہیں:
ھوں نے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے) اڑنے والے جانوروں پر نشانہ بازی کی مشق کو منع فرمایا۔ جو لوگ اونٹوں پر
لم کرتے تھے، ان کے خلاف سخت ناراضگی ظاہر کی۔ جب اُن کے بعض متبعین نے چیونٹیوں کی ایک چھوٹی سی
ہاڑی میں آگ لگادی تو ان کو حکم دیا کہ وہ اس کو بجھا دیں۔ اُن کے زمانے سے کوئی عرب بھی اونٹوں کو اپنے اعزہ کی
بروں پر نہیں باندھتا کہ ایسا نہ ہو وہ بھوک پیاس سے مر جائیں۔ کوئی شخص بھی اپنی بھیڑ بکریوں کی آنکھیں اس لئے
ہیں پھوڑتا کہ وہ خود نظر بد سے بچ سکے۔ لوگ استسقا اور بارش کے لئے بیل کی دُم میں جلتی ہوئی مشعل باندھ کر
انوروں کے گلوں میں نہیں چھوڑ دیتے۔ کوئی بھی گھوڑوں کے چہروں پر ضرب نہیں لگاتا۔ نہ ان کے ایال اور دُم
راشتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دُم سے مکھیاں اُڑاتے ہیں اور ایال ان کو گرمی اور سردی سے بچاتے ہیں۔ کوئی بھی گدھوں
ے چہروں کو نہیں داغتا، نہ ان پر ضرب لگاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام عربوں کی انفرادی زندگی میں جو اخلاقی انقلاب لائے، اس بارے میں یہ ایک غیر مسلم اور غیر ہمدرد مورخ کی شہادت ہے۔ اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ عرب پستیٔ اخلاق میں کس مقام پر تھے، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے زندگی کی چھوٹی سی چھوٹی چیزوں میں بھی لوگوں کی رہنمائی کی، اور انہیں ایک مہذب اور نیک سرشت زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا۔

جہاں تک ان معاشی، سیاسی، سماجی اور بین الاقوامی مشکلات کا تعلق ہے، جن میں ساتویں صدی عیسوی کی انسانیت بری طرح گرفتار تھی اور ان سے نکلنے کی اسے کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی، آپؐ نے ان مشکلات کو جس طرح حل کیا۔ اور اس کے بعد ہی انسانی قافلے کے لئے ترقی و اقبال کی طرف آگے بڑھنے کی راہ ہموار ہوئی، اس سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں اور ہم ان سے ہدایت حاصل کر کے آج ہمیں جن مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، بلکہ ساری انسانیت اُن کے ہاتھوں پریشان ہے، ان پر قابو پا سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اندرونِ عرب کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ہر قبیلہ اپنے آپ کو مستقل بالذات سمجھتا تھا، بلکہ خود ایک قبیلے کے اندر ایک دادا کی اولاد باہم بٹی ہوئی ہوتی تھی۔ یہ قبیلے ایک دوسرے سے [illegible] مفتوح قبیلے کے بچوں اور عورتوں کو غلام

بالخصوص عربوں کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ اور تو اور ایک قبیلے کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہ دوسرے قبیلے کے بت کو پوجے۔ چنانچہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے رہتے تھے تاکہ ہر قبیلہ وہاں اپنے بت کو براجمان پائے۔

آپؐ نے عربوں کو اس قبیلہ پرستی کی لعنت سے چھٹکارا دلایا۔ اور ایک خدا اور اس خدا کی ایک انسانیت کے عقیدے سے انہیں بہرہ ور فرمایا۔ ایک خدا جو سب کا خالق اور سب کا پروردگار ہے، اور ایک انسانیت جس میں نہ صرف ایک عرب قبیلے کو دوسرے عرب قبیلے پر کوئی امتیاز نہیں، بلکہ اس میں ایک عرب کو کسی عجمی پر اور ایک عجمی کو کسی عرب پر کوئی امتیاز نہیں۔ غرض توحید اور توحید کا یہ عملی نتیجہ ایک مؤثر حل بنا اندرونی عرب کی اس سب سے بڑی مصیبت کا۔

ایک اور مسئلہ جو اس وقت کی دنیا کے لئے ایک عذاب بن گیا تھا، وہ تھا ایک مذہب بلکہ ایک ہی مذہب کے دوسرے عقیدے والوں کی حکومت کے اندر اُن سے مختلف عقائد رکھنے والی رعایا کا امن و امان سے رہنا۔ جزیرہ عرب کے شمال میں بازنطینی عیسائی سلطنت تھی۔ اس میں اگر ایک عیسائی فرقے کے ہاتھ میں اقتدار آجاتا، تو دوسرے عیسائی فرقوں کی جان پر بن جاتی۔ اور انہیں یا تو دیس نکالا ملتا، یا وہ ظلم و ستم کا نشانہ بنتے۔ جزیرہ عرب کے مشرق میں ایران کی وسیع و عریض شہنشاہیت تھی۔ وہاں اگر کوئی شخص عیسائیت قبول کرتا تھا تو ایرانی حکومت اسے غدار قرار دیتی۔ اور اس طرح اس کی جان خطرے میں پڑ جاتی۔ مزید برآں خود ایران میں مختلف مذہبی گروہ تھے، جن میں آپس میں انتہائی منافرت تھی۔

آپؐ نے مدینہ آتے ہی جس مملکت کی بنیاد رکھی، اس کا ایک بنیادی اصول یہ تھا کہ اس کے اندر سب مذاہب والے "ایک اُمت" ہیں۔ اور جب تک وہ اس مملکت کا امن و امان قائم رکھتے ہیں، ان سب کے لئے پوری حفاظت کا انتظام ہوگا۔ اس کے بعد جب اس مملکت کی حدیں وسیع ہوئیں اور اس کے تحت عیسائی اور یہودی بھی آگئے تو ان سے یہ شرط کی گئی کہ اگر وہ حفاظت کا ٹیکس اسلامی مملکت کو دے دیں، تو اس میں اُن کے لئے پورا امن ہوگا، اور ان کو کامل مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

ایک مملکت کے اندر سب مذاہب کے لوگ مذہبی آزادی سے متمتع ہوتے ہوئے بحفاظت رہ سکتے ہیں۔ ساتویں صدی عیسوی میں یہ ایک عظیم انقلابی اقدام تھا، جس نے کہ تاریخ انسانی کا رخ بدل دیا۔ اس کی وجہ سے مختلف قوموں کو ایک وسیع تر سیاسی نظام میں باہم مل جل کر رہنے کے مواقع میسر آئے۔ اس سے ایک تو عمومی انسانی برادری کی طرح پڑی۔ دوسرے جب مختلف قوموں میں آپس میں میل ملاپ ہوا، تو ہر ایک دوسرے کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن سے واقف ہوا۔ اور اس طرح اس عالمی تہذیب اور کلچر کو پروان چڑھنے کے اسباب مہیا ہوئے، جو کم و بیش سات آٹھ سو سال تک دنیا میں غالب رہی، اور جس کی خوشہ چینی سے یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا، اور موجودہ ترقی کی بنا رکھی گئی۔

ساتویں صدی عیسوی معاشی لوٹ کھسوٹ، زبردستوں کے زیردستوں پر بے پناہ ظلم، مذہبی طبقوں کے مذہب کے نام سے

ںکے خون نچوڑنے اور اس طرح کی اور بہت سی زیادتیوں سے عبارت تھی۔ رسول اکرمؐ نے سب سے پہلے کعبہ کے مجاوروں ہبی اجارہ داری اور معاشی سلب ونہب کے خلاف آواز بلند فرمائی، چنانچہ کوئی بیس سال کی جان کاہ جدوجہد کے بعد ویں ہجری میں کعبہ کو بتوں سے پاک کیا گیا جو اس کے مجاوروں کے لئے عوام کو لوٹنے کا ایک ذریعہ تھے۔ اور کعبہ میں حضرت لؓ کی زبان سے اذان بلند ہوئی، جن کا کہ خود وجود قریش مکہ کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ یہ تو تمہید تھی مذہبی اجارہ داری راس کے واسطے سے معاشی استحصال کو ختم کرنے کی اس مہم کی، جو اسلام کی نشر واشاعت کے ساتھ دنیا کے اکثر حصوں میں بروئے کار آئی۔ واقعہ یہ ہے کہ مسیحی یورپ میں اصلاح مذہب کی تحریک اور اسی طرح برصغیر پاک وہند میں ہندو مذہب کی تطہیر واصلاح کا آغاز اسلام ہی کے اثرات کا نتیجہ تھا۔ اسلام نے مذہب کو صرف عبادت گاہ تک محدود نہ رکھا، بلکہ اس کے تحت پوری زندگی آگئی۔ اور ایک سچے مذہبی آدمی کے لئے ضروری قرار پایا کہ جہاں وہ عبادات بجالائے، وہاں وہ معیشت ومعاشرت میں بھی انصاف ومساوات کا پابند ہو۔ معاشی استحصال اور سماجی استبداد کو اسی طرح ایک گناہ قرار دینا جس طرح کہ خدا کا انکار اور اس کے احکام کی خلاف ورزی اسلام کا ایک قابل ذکر کارنامہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا کی جو حالت تھی، قرآن مجید نے اسے ان الفاظ میں مختصراً بیان کیا ہے۔ ظہر الفساد فی البرّ والبحر بما کسبت ایدی الناس۔۔۔ (خشکی اور تری میں لوگوں کے بُرے کرتوت کی وجہ سے فساد پھیل گیا ہے)۔ آج بھی کل وبیش دنیا کی یہی حالت ہے۔ اور جس طرح قرآن مجید نے اس دَور کے لوگوں کے بارے میں کہا تھا کہ وہ آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ گئے تھے کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ سے انہیں بچا لیا۔ اسی طرح انسانیت آج ایک نہایت ہی خطرناک موڑ پر ہے، جس سے خدانخواستہ اگر وہ لڑھکی تو پھر ایسی گہرائیوں میں جا گرے گی کہ ان سے نکلنا اس کے لئے ناممکن ہوگا۔

اسلام اور رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس نے ساتویں صدی میں انسانیت کو تباہ سے بچایا، اور اسے امن وسلامتی کی شاہراہ پر ڈالا، آج اگر ہم اسلام اور آپؐ کی تعلیمات کی صحیح روح کو اپنا اور اپنے موجودہ مسائل کو اس الٰہی ہدایت کی مدد سے حل کریں تو ہم نہ صرف اس مملکت کو، بلکہ باقی دنیا کو بھی آنے والی مصیبتوں سے نجات دلا سکتے ہیں۔

ضرورت اسلام کی صحیح روح، اس کے حقیقی تاریخی کردار اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ا، اور آپؐ نے اپنے دَور کے مسائل کو جس طرح حل کیا، اس کی تہ تک پہنچنے کی ہے۔ یہ ہے وہ ابدی اور لازوال سر جس سے ہمیں ہدایت وبصیرت حاصل کرنی چاہیئے۔

○